((ثَلاَثَةٌ مِنْ اَصْلِ الایْمَانِ : اَلْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ : لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَلاَ نُکْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلاَ نُخْرِجُهُ مِنَ الْاِسْلاَمِ بِعَمَلٍ' وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ اِلٰی اَنْ یُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الاُمَّةِ الدَّجَّالَ' لاَ یُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلاَ عَدْلُ عَادِلٍ وَّالایْمَانُ بِالْاَقْدَارِ)) (۱۴)

"تین چیزیں ایمان کی جڑ اور بنیاد ہیں :(۱) جو کوئی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو اس سے (زبان اور ہاتھ کو) روک لینا' کسی گناہ کی وجہ سے ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے' اور نہ ہی کسی کام کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کریں گے۔ (۲) جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے جہاد اس وقت سے جاری ہے اور اس وقت تک (جاری رہے گا) جب اس امت کا آخری فرد دجال سے جنگ کر لے' نہ کسی ظالم کا ظلم اس کو ختم کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی عادل کا عدل (۳) اور ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا"۔

(جاری ہے)

(۱۴) سنن ابی داوٗد کتاب الجهاد باب فی الغزو مع ائمة الجور ح ۲۵۳۲ والسنن الکبریٰ للبیهقی ۹/۱۵۶ کتاب السیر باب الغزو مع ائمة الجور۔ اس روایت میں یزید بن ابی نشبہ راوی غیر معروف ہے لہٰذا علماء نے حدیث کو ضعیف کہا ہے' ملاحظہ ہو جامع الاصول ۱/۲۴۲ ح نمبر ۳۲۔

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبت کے تقاضے کیا ہیں'
ہم ہیں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسُولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچائیے!
صفحات ۳۲ • قیمت ۶/ روپے
شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

درس ۱۲

عائلی زندگی کے بنیادی اصول

سورۃ التحریم کی روشنی میں

(۳)

عورت کا روحانی و اخلاقی تشخص

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ' كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ' اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ○ ﴾ (آیات ۱۰۔۱۲)

"اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے کافروں کے لئے نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کی۔ وہ دونوں ہمارے دو نہایت نیک بندوں کے عقد میں تھیں' تو انہوں نے ان سے خیانت کی روش اختیار کی' تو وہ دونوں ان (اپنی بیویوں) کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے' اور یہ کہہ دیا گیا (ان بیویوں سے) کہ تم دونوں داخل ہو جاؤ آگ میں دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی۔ جبکہ اس نے کہا اے میرے رب!

میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے نجات بخش ظالموں کی قوم سے ـــــ اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان فرمائی جس نے اپنی عصمت کی پوری حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور اس نے تصدیق کی اپنے رب کی تمام باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ ہمارے بہت ہی فرماں بردار بندوں میں سے تھی"۔

یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ التحریم میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی پہلی منزل یعنی مرد اور عورت کے مابین رشتۂ ازدواج کہ جس سے خاندان کے ادارہ کی بنیاد پڑتی ہے' کے ضمن میں نہایت اہم اور بنیادی ہدایات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ عائلی زندگی کے بارے میں ایک نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ عورت کا مقام کیا ہے! آپ کو معلوم ہے کہ اس ضمن میں دنیا میں بہت افراط و تفریط رہی ہے۔ عورت کو یا تو بالکل بھیڑ بکری کی طرح ایک ملکیت قرار دیا گیا' ہمارے ہاں بول چال کے عام محاورے میں اسے جوتی کی نوک سے تعبیر کیا گیا' یا پھر اسے بازار میں لا بٹھایا گیا۔ اور کبھی اسے قلوپطرہ کا روپ دھار کر قوموں کی قسمتوں سے کھیلنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ یہ افراط و تفریط ہے جس میں نوعِ انسانی بالعموم مبتلا رہی ہے۔ اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی اور اخلاقی تشخص عطا کیا' پھر اس کے دائرہ عمل اور میدانِ کار کا تعین کیا۔ اسلام کی رو سے عورت کا ایک علیحدہ قانونی وجود ہے۔ چنانچہ اس کے قانونی حقوق ہیں۔ عورت کی اپنی ذاتی ملکیت ہو سکتی ہے اور وہ اپنی اس ملکیت میں تصرف کا کامل اختیار رکھتی ہے۔ لہٰذا عام انسانی حقوق کے اعتبار سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اس ضمن میں نہایت قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو قانونی تشخص دینے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تشخص بھی عطا کیا ہے۔ عورت اگر کوئی نیک کام کرتی ہے تو اس کا اجر و ثواب اس کے لئے ہے۔ وہ اس معاملے میں مَردوں کے تابع نہیں ہے۔ چنانچہ شوہر اپنی بیوی کے نان و نفقہ کا کفیل اور ذمہ دار تو ہے' لیکن اس کے دین و اخلاق کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر عورت میں نیکی اور بھلائی ہو گی تو وہ اس کے لئے ہے' عورت کوئی خیر کمائے گی تو اس کا صلہ اور اجر و ثواب اسی کو ملے گا۔ اسی طرح اگر مَرد

کوئی نیکی کماتا ہے تو اس کا اجر و ثواب اسی کے لئے ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید نے یہ **اصل الاصول** بیان کیا ہے کہ ﴿ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعٰى ﴾ "کسی انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہی کچھ جس کے لئے اس نے محنت کی ہے" جس کے لئے اس نے مشقت اور بھاگ دوڑ کی ہے۔

پھر یہ کہ انسان ہونے کے ناطے سے مَرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۵ میں فرمایا گیا ﴿ اِنِّیْ لاَ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۰ ﴾ "میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ (عمل کرنے والا) مَرد ہو یا عورت ہو۔ تم ایک دوسرے ہی سے ہو" یعنی مَرد و عورت کا فرق و تفاوت خواہ جسمانی ہو' خواہ نفسیاتی ساخت کے اعتبار سے ہو' یہ فرق تو ہم نے تمدنی ضروریات کے تحت رکھا ہے' باقی انسان ہونے کے اعتبار سے تم ایک دوسرے ہی سے ہو۔

یہی اصول قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت ۳۲ میں نہایت واضح شکل میں سامنے آتا ہے ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾ "مَردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو کمائی انہوں نے کی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو کمائی انہوں نے کی"۔ یعنی جو بھلائیاں' نیکیاں' خیرات اور حسنات مَردوں نے اپنی محنت اور مشقت سے کمائی ہیں' ان کا اجر و ثواب ان کے لئے ہے اور جو بھلائیاں اور نیکیاں عورتوں نے کمائی ہیں' ان کا اجر و ثواب ان کے لئے ہے۔ اسی طرح جو برائی اور بدی مَرد کمائے گا اس کا وبال اس پر ہو گا اور جو بدی اور برائی عورت کمائے گی اس کی پاداش اس کو بھگتنی ہو گی۔

اس اصول کو سورۂ تحریم کی آخری تین آیات میں تین مثالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ خواتین کہیں اس مغالطہ میں نہ رہیں کہ ان کے شوہر ان کے دین و اخلاق کے بھی کفیل ہیں اور وہ دین و اخلاق کے معاملہ میں مَردوں کے تابع ہیں۔ چنانچہ پہلی مثال دو ایسی عورتوں کی پیش کی گئی جن کے شوہر اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسول تھے' ایک حضرت نوح اور دوسرے حضرت لوط علیہما السلام۔ ان دونوں کی بیویوں کا ذکر کیا گیا کہ دین کے اعتبار

سے ان کا معاملہ درست نہ تھا۔ انہوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ بیوفائی کی تھی ــــــ لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ ان سے لازمی طور پر کوئی اخلاقی لغزش سرزد ہوئی ہو۔ اپنے شوہروں کے رازوں کا افشا بھی ایک خیانت اور بیوفائی کا عمل ہے۔ اس لئے کہ اسی سورۃ النساء میں جہاں آیت ۳۴ میں یہ اصل الاصول بیان کیا گیا کہ ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ یعنی مرد عورتوں پر نگران اور حاکم ہیں' وہاں ایک مثالی (IDEAL) بیوی کے یہ اوصاف بھی بیان فرمائے گئے ہیں کہ ﴿ اَلصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ﴾ "نیک بیویاں وہ ہیں جو فرمانبرداری کی روش اختیار کریں (اپنے شوہروں کا کہنا مانیں اور ان کے) رازوں کی پوری حفاظت کریں"۔ ظاہر بات ہے کہ بیوی سے زیادہ مَرد کا رازدار اور کون ہو گا! مَرد میں اگر کوئی خامی ہے' اگر کسی پہلو سے اس میں کوئی پوشیدہ جسمانی عیب ہے تو اسے اس کی بیوی سے بڑھ کر جاننے والا اور کوئی نہیں۔ گویا مَرد کی پوری شخصیت عورت کے پاس بطور امانت ہے۔ راز کو بھی امانت کہا گیا ہے۔ لہٰذا اگر شوہر نے کوئی راز کی بات بیوی کو بتائی ہو اور بیوی اس راز کو افشا کر دے تو یہ بھی خیانت ہے۔ چنانچہ "فَخَانَتٰهُمَا" کے لفظ سے یہ لازمی نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ ان دونوں جلیل القدر رسولوں کی بیویاں بد چلن اور بد کار تھیں (معاذ اللہ)۔ قرآن مجید کے اصول کو اگر پیش نظر رکھیں تو یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ کسی رسول کے حبالۂ عقد میں کوئی بد چلن اور بد کار عورت ہو ــــــ لہٰذا ان خواتین کا یہ طرزِ عمل کہ وہ درپردہ اپنی کافر قوموں کے ساتھ تھیں اور ان کی ہمدردیاں کفار کے ساتھ تھیں' اسے یہاں خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لیکن یہاں جو اصل بات واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں عورتیں ہمارے رسولوں کے حبالۂ عقد میں تھیں لیکن چونکہ ان دونوں کے اپنے اعمال درست نہ تھے لہٰذا ان کا انجام کافروں کے ساتھ ہو گا اور رسول کی زوجیت میں ہونا انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ چنانچہ ان سے کہہ دیا گیا کہ "دوزخ میں داخل ہو جاؤ دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ" ﴿ وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴾ یہاں "قِيْلَ" فعل ماضی مجہول ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی قیامت کے حالات کا ذکر ہوتا ہے وہاں عام طور پر فعل

ماضی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فعل ماضی میں قطعیت و حتمیت ہوتی ہے کہ کوئی کام ہو چکا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی یقینی بات وہ ہوتی ہے جو وقوع پذیر ہو چکی ہو اتنی ہی یقینی بات قیامت و آخرت کی ہے۔ لہٰذا آخرت کے احوال بیان کرتے ہوئے قرآن مجید عام طور پر ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ یہاں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے' ہو سکتا ہے کہ اس میں عالم برزخ میں یہ بات کہی جانے کی طرف اشارہ ہو رہا ہو' واللہ اعلم بالصواب' لیکن یہاں جس حقیقت کی جانب نشاندہی مقصود ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کے حوالے سے بھی ہمارے سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی لختِ جگر' نورِ نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا تھا کہ اے فاطمہ! محمد (ﷺ) کی بیٹی! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ' اس لئے کہ مجھے تمہارے بارے میں اللہ کے یہاں کوئی اختیار حاصل نہیں ہو گا ـــــ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت لوط (علیہما السلام) جیسے جلیل القدر پیغمبر آخرت میں اپنی بیویوں کے کام نہ آسکیں گے۔ یہ مثال بیان ہوئی ان دو عورتوں کی جو دو بہترین شوہروں کے حبالۂ عقد میں تھیں' لیکن چونکہ وہ خود اہل ایمان میں سے نہ تھیں لہٰذا ان کے شوہروں کی نیکی اور بزرگی انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکے گی۔

اب اس کے برعکس ایک مثال ایک بدترین شخص کے نکاح میں ایک نہایت نیک اور صالحہ خاتون کی آرہی ہے۔ فرعون جیسے سرکش و متمرد' اللہ کے باغی اور خدائی کے مدعی شخص کے عقد میں حضرت آسیہ تھیں۔ اغلباً یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں بہتے ہوئے صندوق سے نکالا تھا اور فرعون کو آمادہ کر لیا تھا کہ ان کی پرورش وہ خود کریں گی۔ وہ یقیناً بنی اسرائیل کی کوئی مؤمنہ و صالحہ خاتون تھیں جو فرعون کی بیوی تھیں۔ قرآن مجید کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ ان کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ فرعون کا محل اور وہاں کی آسائشیں اور سہولتیں نیز وہاں کا آرام گویا ان کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ شوہر کی ضلالت' اس کی گمراہی و بے راہ روی اور اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ عیش و آرام' جو شاہی محل کا جزو لاینفک ہوتا ہے' ان پر دوبھر تھا۔ چنانچہ ان کی دعا قرآن نے بایں الفاظ نقل کی ہے کہ ﴿ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی پروردگار مجھے جلد سے جلد فرعون سے' اس

کے عمل سے اور ظالم و مشرک قوم سے نجات دے کر اپنے پاس بلا اور اپنے جوارِ رحمت یعنی جنت میں میرے لئے گھر بنا۔ اس دوسری مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی عورت کا شوہر خواہ کتنا ہی بدکردار یا کافر و مشرک ہو' اگر وہ عورت خود مومنہ اور صالحہ ہے تو اس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ شوہر کی برائی اسے کچھ نقصان نہ پہنچائے گی۔

اب اس ضمن میں تیسری مثال ایک ایسی خاتون کی آ رہی ہے کہ جنہیں ماحول بھی بہترین ملا اور پھر جن کے خود اپنے اندر بھی نیکی بھلائی اور حسنات کے بہترین رجحانات اور میلانات بکمال و تمام موجود تھے۔ گویا وہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کی مثال ہیں ـــــ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی تھی۔ دوسری مثال اس کے برعکس ایک بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین خاتون کی تھی ـــــ اور اب تیسری مثال حضرت مریم سلامٌ علیہا کی آ رہی ہے' جو خود بھی نہایت نیک' صالحہ اور عبادت گزار تھیں۔ پھر ان کی والدہ بھی اس قدر نیک تھیں کہ انہوں نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی اپنی ہونے والی اولاد کو اللہ کی نذر کر دیا تھا جس کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت ۳۵ میں بایں الفاظ آیا ہے ﴿ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا ﴾ "اے میرے رب! میں نے تیرے لئے نذر کیا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے' دنیا کے تمام بکھیڑوں سے اسے چھٹکارا دلاتے ہوئے"۔ یعنی میں اس کو صرف تیرے دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کا عہد کرتی ہوں۔ تو یہ خاتون ہیں جن کی آغوش میں حضرت مریم نے پرورش پائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا مربی اور کفیل بنایا جو اللہ کے جلیل القدر نبی اور ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کے مجاور اور نگران بھی تھے اور رشتے میں حضرت مریم کے خالو تھے۔ تو گویا یہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا معاملہ ہے۔ ایک طرف حضرت مریم کی سیرت اور ان کا کردار ہے جس کی اللہ تعالیٰ مدح فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی عصمت و عفت کی کامل طور پر حفاظت کی۔ پھر امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑی آزمائش سے دوچار فرمایا۔ ایک نوجوان خاتون جو ناکتخدا ہو' جس کی شادی نہ ہوئی ہو اور وہ حاملہ ہو جائے' آپ خود سوچئے کہ معاشرہ میں کیسی رسوائی کا سامان ہے جو ان کے لئے فراہم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس شدید آزمائش میں مبتلا کیا۔ لیکن اس اللہ کی بندی نے اپنے رب کے ہر حکم کے سامنے سرِ

تسلیم خم کیا ﴿ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ ﴾ یہ ان کی زندگی کا نقشہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کی۔ پھر انہوں نے تمام آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علومِ دینیہ سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی۔ آیت کے آخر میں ان کی مدح ان الفاظ مبارکہ سے فرمائی گئی ﴿ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴾ وہ اللہ کے فرماں برداروں میں سے ایک بندی تھی۔

غور کیجئے کہ یہاں تین مثالوں کے ذریعے تین ممکنہ صورتوں کو بیان کر دیا گیا' لیکن ایک امکان ابھی باقی ہے۔ گویا اس عمارت کا ایک کونا ابھی خالی ہے۔ بہترین شوہروں کے ہاں بدترین عورتوں کی مثال حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں ہیں' بدترین شوہر کے ہاں بہترین خاتون کی مثال حضرت آسیہ ہیں' جبکہ بہترین ماحول میں بہترین خاتون کی مثال حضرت مریم ہیں۔ اب ایک مثال رہ جاتی ہے کہ شوہر بھی بدترین ہو اور بیوی بھی۔ گویا ﴿ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ کا نقشہ ہو۔ جسے ہم اپنے محاورہ میں کہتے ہیں کہ کریلا اور پھر نیم چڑھا۔ اس کی مثال ہمیں قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ملتی ہے اور وہ ہے سورۃ اللھب۔ اس سورۂ مبارکہ میں ابولہب اور اس کی بیوی دونوں کا ذکر ہے :

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○ ﴾

اس سورۂ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے چچا ابولہب اور آپ ؐ کی چچی (ابولہب کی بیوی) اُم جمیل کی آنحضور ﷺ سے عداوت کا بیان ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کس کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ عداوت' بغض اور دشمنی تھی۔ کیونکہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آنحضور ؐ کی دشمنی' عداوت اور ایذارسانی میں پیش پیش تھے۔ تو سورۃ اللھب میں بدترین شوہر اور بدترین بیوی کی مثال موجود ہے۔ اس طرح یہ کونہ اور گوشہ بھی پُر ہو جاتا ہے کہ شوہر بھی بدترین ہو اور بیوی بھی بدترین ہو تو اس کی صورت کیا ہو گی۔ چنانچہ ان کے بارے میں اسی دنیا میں جہنم کا فیصلہ سنا دیا گیا۔

اب ان چاروں مثالوں کو سامنے رکھ کر جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ عورت کا اپنا ایک